الطاف احمد اعظمی*

نظام سرمایہ داری اور اسلام

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۲

مغربی ممالک کے مقابلے میں روس کے مزدوروں کی پست حالت کی اصل وجہ سرمائے کی غیر منصفانہ تقسیم تھی۔ اور یہی وہ بیماری ہے جس کو دور کرنے کے لیے مارکس نے اجتماعی ملکیت کا نظام پیش کیا تھا، لیکن روس ایک طویل مدت گزر جانے کے باوجود اس بیماری کا خاتمہ نہیں کر سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ کمیونسٹ روس کا مزدور اسی طرح استحصال کا شکار تھا جس طرح وہ بورژوا سوسائٹی میں سرمایہ داروں کے استحصال کا عذاب جھیل چکا تھا۔

روس کے محنت کشوں کی جاں فشانی سے جو خطیر سرمایہ حاصل ہوتا تھا اس کے ایک بڑے حصے کو اصولاً مزدوروں کی فلاح و بہبود پر خرچ ہونا چاہیے تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس سرمائے کا نصف حصہ قومی خزانے میں جو کمیونسٹ سماج کا بورژوا طبقہ تھا، جمع ہو جاتا تھا اور نصف حصے سے حکومت کے ارباب انتظام، افسروں، کارکنوں اور منیجروں کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی تھیں اور جو باقی بچ رہتا تھا اس سے مزدوروں کو اجرتیں دی جاتی تھیں اور سوشل انشورنس کے نام سے ان کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جاتا تھا۔

سرمایے کی اس تقسیم کو منصفانہ کون کہہ سکتا ہے۔ جو ہاتھ دولت پیدا کرے اس کو کم تنخواہ ملے اور جو لوگ محنت نہ کریں ان کو زیادہ تنخواہیں دی جائیں۔ کیا یہ بات خود مارکسزم کے اصولوں کے خلاف نہیں تھی؟ کوئی کہہ سکتا ہے کہ

---

* آر زیڈ ۹۰۱ بی، فلیٹ نمبر ۴۰۲، تغلق آباد ایکسٹنشن، نئی دہلی-۱۹۔

قومی سرمائے کا نصف حصہ قومی خزانے میں اس لیے جمع کر دیا جاتا تھا تا کہ اس رقم سے صنعت وحرفت اور تعلیم کو فروغ دیا جائے اور غیر ملکی سامراج کے خلاف قومی دفاع کو مضبوط بنایا جائے، لیکن یہ سب کام نظام سرمایہ داری میں بورژوا طبقہ بھی انجام دیتا تھا۔ پھر وہ مطعون کیوں تھا، کیا وہ فاضل سرمایے کو محض عیش وعشرت میں اڑا دیتا تھا؟ بورژوا طبقے کی قومی خدمات کو خود مارکس اور انگلس نے ان لفظوں میں سراہا ہے:

''بورژوا طبقہ وہ پہلا طبقہ ہے جس نے دکھا دیا ہے کہ انسان کی کارگزاری کیا کچھ کر سکتی ہے۔ اس نے وہ عجائبات پیش کیے ہیں جن کے مقابلے میں مصر کے اہرام، روم کی نہریں اور گاتھی نمونہ کے شان دار گرجے ہیچ ہیں۔ اس نے وہ مہمیں سر کی ہیں جن کے سامنے تمام اگلے زمانوں کی قوموں کی ہجرتیں اور صلیبی جنگیں مات ہیں۔''

(کمیونسٹ مینی فسٹو، ص ۶۰)

یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو:

''بورژوا طبقہ نے بہ مشکل ایک سو برس کے دور میں حکومت میں اتنی بڑی اور دیو پیکر قوتیں تخلیق کی ہیں کہ پچھلی تمام نسلیں مل کر بھی نہ کر سکی تھیں۔ قدرت کی طاقتوں پر انسان کی کارفرمائی، مشینیں، صنعت اور زراعت میں کیمیا کا استعمال، دخانی جہاز رانی، ریلیں، تار برقی، کھیتی کے لیے پورے کے پورے براعظموں کی صفائی، دریاؤں سے نہر کاٹنا، گویا جادو کے زور سے زمین کا سینہ چیر کر چشم زدن میں بڑی بڑی آبادیوں کا ظہور میں آ جانا، آج سے پہلے کس زمانہ کے لوگوں کے ذہن میں آ سکتا تھا کہ اجتماعی محنت کی گود میں ایسی ایسی پیداواری طاقتیں پڑی سو رہی ہیں۔''

(کمیونسٹ مینی فسٹو، ص ۶۴)

بورژوا طبقہ پر مارکسزم کے ہم نواؤں کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ وہ مزدوروں کو ان کی محنت کا قلیل حصہ بطور اجرت دے کر باقی سرمائے کو یا مارکس کے الفاظ میں قدر زائد (Surplus Value) کو خود ہضم کر جاتا تھا اور یہ طرز عمل ان کے نزدیک مزدوروں کے استحصال کے مترادف تھا۔ بلاشبہ یہ ایک بدترین استحصال تھا، لیکن یہی استحصال تو کمیونسٹ معاشرے میں بھی جاری رہا۔ فرق صرف یہ ہوا کہ استحصال کرنے والا طبقہ اب بورژوا کے بجائے خود کمیونسٹ پارٹی بن گئی۔

سرمایہ داری (Capitalism) اور اجتماعی ملکیت کے نظاموں کی خرابیاں قارئین نے دیکھ لیں اور معلوم ہو گیا کہ ان نظاموں نے دنیائے انسانیت کو دکھ درد اور ظلم واستحصال کے سوا اور کچھ نہیں دیا ہے۔ آج دنیا اس بات کی شدت سے آرزومند ہے کہ کوئی ایسا نظام معیشت ہو جس میں مذکورہ دونوں نظاموں کی خرابیاں نہ ہوں۔ اور یہ اسلام کے نظام معیشت کے سوا کوئی دوسرا نظام نہیں ہو سکتا ہے۔ اگلے صفحات میں اس نظام کو اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تا کہ دنیا اس سرچشمۂ خیر وبرکت کی طرف متوجہ ہو۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اسلامی نظام معیشت

معاش کا انسان کی زندگی سے جو گہرا تعلق ہے وہ بالکل واضح ہے۔قرآن میں اس کو قیام زندگی کا ایک مضبوط ذریعہ قرار دیا گیا ہے:

وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ الَّتِىۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِيٰمًا. (سورۂ نساء۴:۵)

''اپنے اموال جن کو اللہ نے تمھارے لیے گزر بسر کا ذریعہ بنایا ہے، کم عقلوں (یعنی بچوں) کے حوالے نہ کرو۔''

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس میں مال اور کسب مال کو اچھی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں مال کے لیے خیر (البقرہ۲:۲۱۵) اور فضل (البقرہ۲:۱۹۸) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور اہل ایمان کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ کسب معاش میں سرگرمی دکھائیں۔فرمایا ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانۡتَشِرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ. (سورۂ جمعہ۶۲:۱۰)

''پس جب (جمعہ کی) نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (یعنی روزی) تلاش کرو۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

كسب الحلال فريضة بعد الفريضة. (کنز العمال)

''عبادت کے بعد حلال روزی حاصل کرنا فرض کے درجے میں ہے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے:

قال النبی صلی الله علیه و سلم، ان قامت الساعة وفی احدکم فسيلة، فان استطاع ان لا تقوم حتی یغرسها فيغرسها. (کنز العمال)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر قیامت کی گھڑی آجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا پودا ہو تو اگر اس کے بس میں ہو کہ کھڑا نہ ہو جب تک کہ اس کو بو لے تو چاہیے کہ اس پودے کو بودے۔''

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں سوال یعنی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے منع کیا گیا ہے، کیوں کہ یہ عمل انسان کے مقام و مرتبہ سے فروتر ہے۔روایت ہے کہ ایک غریب انصاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور مدد چاہی۔آپ نے فرمایا، تمھارے پاس کوئی چیز ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میرے پاس صرف ایک ٹاٹ ہے، اس کے ایک حصہ کو بچھاتا ہوں اور دوسرے کو اوڑھتا ہوں۔اس کے علاوہ ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتا ہوں۔آپ نے فرمایا، جاؤ اور یہ سامان لے آؤ۔وہ دونوں سامان لے کر آگئے۔آپ نے صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا: 'من يشری

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

هذين ''کون ان دونوں چیزوں کو خریدتا ہے؟'' ایک صحابی نے کہا: 'انا اخذهما بدرهم ''میں ایک درہم میں ان کو لیتا ہوں۔'' آپ نے فرمایا: 'من يزيد درهم ''کون ایک درہم پر اضافہ کرتا ہے؟'' ایک صحابی نے دو درہم میں خرید لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں درہم غریب انصاری کو دے کر فرمایا: ''ایک درہم سے غلہ خرید کر گھر پہنچا دو اور ایک درہم سے کلہاڑی خرید کر لاؤ۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ غریب انصاری نے ایسا ہی کیا اور ایک کلہاڑی خرید کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس میں ایک لکڑی ٹھونکی اور اسے انصاری کو دیتے ہوئے فرمایا: 'اذهب فاحتطب و بع و لا نرينّه خمسة عشر يوما ''جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بیچو اور میں تمھیں پندرہ دن تک نہ دیکھوں (یعنی پندرہ دن سے پہلے نہ ملو)۔'' چنانچہ وہ پندرہ دن کے بعد آئے اور کہا: یا رسول اللہ، میں نے اتنے دنوں میں دس درہم کمائے۔ چند درہموں سے کپڑے خریدے اور چند درہم سے کھانا (غلہ) لیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

هذا خير لك من ان تجئ والمسئلة نكتة في وجهك يوم القيامة.

''یہ تمھارے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ تم قیامت کے دن اس حال میں آؤ کہ سوال تمھارے چہرے میں داغ بنا ہوا ہو۔'' (ابوداؤد، ترمذی)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اسلامی نظام معیشت کے بنیادی اصول

اسلام کے نظام معیشت کا پہلا اصول کسب معاش میں جدوجہد ہے، جیسا کہ سورۂ جمعہ ۶۲ کی آیت ۱۰ سے بالکل واضح ہے اور اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس اصول کے مطابق ضروری ہے کہ معاشرے کا ہر فرد جو کمانے پر قادر ہے، تلاش رزق کے عمل میں حتی الوسع شریک ہو۔ جو لوگ قدرت کے باوجود کسب معاش میں حصہ نہیں لیتے وہ درحقیقت سماج پر ایک بوجھ اور اس کے ناپسندیدہ افراد ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کی حاجت روائی سے منع کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لا تحل الصدقة لغني ولا الّذي مرة سوي. (صحاح[1])

''صدقہ غنی[2] کے لیے جائز ہے اور نہ اس آدمی کے لیے جو قوی اور تندرست ہو۔''

---

[1] ایک دوسری روایت میں 'القوی المكتسب'' (قوی کمانے والے) کے الفاظ آئے ہیں۔

[2] غنی سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے اور اپنے اہل وعیال کے روز مرہ مصارف کے علاوہ دو سو درہم، یا ساڑھے باون تولہ

اسلامی نظام معیشت کا دوسرا اصول ذریعے کی پاکیز گی ہے، یعنی مال جائز ذریعوں سے حاصل کیا جائے۔ فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ. (البقرہ۲:۱۶۸)

’’اے لوگو، زمین میں جو چیزیں حلال وطیب ہیں ان کو کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔‘‘

اس آیت میں حلال کے ساتھ طیب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ علامہ رشید رضا مصری نے اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ’’قرآن میں جن چیزوں کو حرام کہا گیا ہے ان کی حرمت ذاتی ہے اور ان کو مضطر کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں استعمال کرسکتا ہے، لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جن میں بذات خود حرمت نہیں پائی جاتی، بلکہ خارجی اسباب سے ان میں حرمت آجاتی ہے۔ طیب کے لفظ سے اسی قسم کی اشیاء کی حرمت کو واضح کیا گیا ہے۔ پس وہ تمام چیزیں جو ناجائز ذریعوں، مثلاً رشوت، قمار، غصب، دھوکا فریب، خیانت اور چوری وغیرہ سے حاصل کی گئی ہوں وہ بھی حرام ہیں۔ الغرض ہر خبیث شے خواہ اس میں خبث خارجی ذرائع سے آیا ہو اور خواہ اس کے اندر موجود ہو، حرام ہے[۳]۔‘‘

انفرادی ملکیت کا نظام ہو یا اجتماعی ملکیت کا، دونوں میں نہ تو اموال کے حلال ہونے کی شرط ہے اور نہ ہی ذرائع مال کا جائز ہونا ضروری ہے، کیوں کہ ان مادی نظامات میں جائز اور ناجائز کا سرے سے کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ بس مال ہونا چاہیے، خواہ اس کا ذریعہ قمار بازی ہو یا شراب سازی۔ چنانچہ بہت سے ملکوں کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ قمار بازی (لاٹری) اور شراب کا کاروبار ہے۔

www.javedahmadghamidi.org

لیکن قارئین نے دیکھا کہ اسلام کے نظام معیشت میں مال کے حلال ہونے کے ساتھ ذریعۂ حصول کی طہارت بھی لازمی ہے۔ اس کی نظر میں ایک روپیہ اس ایک لاکھ روپے سے بدرجہا بہتر ہے جو حرام طریقے سے حاصل کیا گیا ہو۔ فرمایا ہے:

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (المائدہ۵:۱۰۰)

’’کہہ دو، ناپاک اور پاک برابر نہیں ہیں، اگرچہ ناپاک کی کثرت تم کو کتنی ہی عمدہ معلوم ہو، اے عقل مندو! اللہ کی نافرمانی سے بچو تاکہ تمھیں فلاح حاصل ہو۔‘‘

اسلامی معیشت کا تیسرا اصول میانہ روی ہے، یعنی مال خرچ کرنے میں اعتدال کی روش اختیار کی جائے۔ یہ

چاندی، یا اس کے مساوی ملکیت رکھتا ہو۔

۳؎ تفسیر المنار، ج۱، ص۸۷، مزید دیکھیں، تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۲۰۳۔

اصول استحکام معیشت میں اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ فرمایا ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۹)

''اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لو (یعنی بخل کرو) اور نہ ہی بالکل کھول دو، پھر ملامت زدہ اور تہی دست ہو کر بیٹھ رہو۔''

دوسری جگہ ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا. (سورۂ فرقان ۲۵: ۶۷)

''اور وہ لوگ (یعنی اہل ایمان) جس وقت خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ ہی تنگی کرتے ہیں، ان کا انفاق اس کے (یعنی خرچ کی ان دونوں انتہائی حالتوں کے) درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: 'الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشة'[۴] ''خرچ میں میانہ روی معیشت کی خوش گواری کا نصف حصہ ہے۔'' آپ کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ ہو:

''حضرت ابودرداء سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کی دانائی میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنی معیشت میں اعتدال اختیار کرے۔'' (رواہ امام والطبرانی، مزید دیکھیں، التفسیر الکبیر، ۱۹/ ۴۲)

اس کے برخلاف خرچ میں افراط وتفریط سے معاشی زندگی میں خلل پڑتا ہے۔ تفریط یعنی بخل کا فساد تو بالکل واضح ہے کہ اس سے مال کی فیض بخشی مسدود ہو جاتی ہے۔ بخیل اپنے مال سے نہ خود فائدہ اٹھاتا ہے اور نہ ہی سماج کے حاجت مندوں کو اس سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ افراط یعنی اسراف وتبذیر کا نقصان یہ ہے کہ اس سے مال ضائع ہو جاتا ہے۔

اسراف کا مفہوم یہ ہے کہ مال جتنی مقدار میں خرچ ہونا چاہیے اس سے کہیں زیادہ خرچ ہو جائے، اور تبذیر یہ ہے کہ مال اس جگہ خرچ کیا جائے جو اس کے خرچ کا حقیقی محل نہ ہو۔ خود اس لفظ کا مادہ 'بذر' اس کے مفہوم کو واضح کر دیتا ہے۔ 'بذر' کے معنی تخم کے اور 'تبذیر' کے معنی تخم چھڑکنے کے ہیں۔ جس طرح کسان اپنے کھیت میں تخم ریزی کرتا ہے اور اس خیال کے بغیر دانے پھینکتا جاتا ہے کہ وہ کہاں گریں گے اور کہاں نہیں گریں گے، اسی طرح دولت مند اپنی دولت بے دریغ خرچ کرتا ہے اور اس کی پروا نہیں کرتا کہ یہ جائز خواہشات کی تکمیل میں خرچ ہو رہی ہے یا ناجائز کاموں میں۔ شیطان کے ایک معنی قوت کا غلط راہ میں استعمال بھی ہے۔ اسی لیے قرآن میں 'مبذر' کو شیطان کا بھائی

---

[۴] کنز العمال، عن ابن عمر۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کہا گیا ہے: 'اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ' (بنی اسرائیل ۱۷:۲۷)

روایات وآثار سے بھی 'تبذیر' کے مفہوم کی وضاحت ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حق کے خلاف ہر قسم کے خرچ کو 'تبذیر' کہتے ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص حق کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کر ڈالتا ہے تو یہ اسراف نہیں کہا جائے گا لیکن اگر اس نے تھوڑا مال بھی ناحق کی راہ میں خرچ کر دیا تو یہ 'تبذیر' ہے۔[5]

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ بنی تمیم کے ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ایک مال دار آدمی ہوں۔ اپنے اہل وعیال پر خرچ کے علاوہ مہمان نوازی بھی کرتا ہوں۔ آپ مجھے بتائیں کہ میں اپنا مال کس طرح خرچ کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پہلے اپنے مال کی زکوٰۃ نکالو اگر وہ زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچتا ہو، اس لیے کہ زکوٰۃ مال کو خباثت سے پاک کرتی ہے۔ اس کے بعد صلۂ رحمی کرو، اور سائل، اجنبی اور مسکین کے حقوق بھی ادا کرو (یعنی ان کی حاجت روائی کرو)۔ اس نے کہا، اے اللہ کے رسول، اس بات کو چند مختصر الفاظ میں فرما دیجیے۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: 'وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا'۔ اس نے کہا، بس یہ میرے لیے کافی ہے۔[6]

معلوم ہوا کہ حق داروں کا حق ادا کرنے کے بجائے مال کو غلط کاموں، مثلاً قمار بازی، شراب نوشی، شاہد بازی وغیرہ میں اڑا دینا 'تبذیر' ہے۔[7]

www.javedahmadghamidi.com

اسلامی معیشت کا چوتھا اصول عدم احتکار (Deconcentration of wealth) ہے یعنی ایک جگہ زیادہ مال جمع نہ ہو۔ جب صحابہ نے پوچھا کہ کتنا خرچ کیا جائے 'يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ' تو جواب دیا گیا، جو زائد ہو 'قُلِ الْعَفْوَ' (البقرہ ۲:۲۱۹)۔

لغت میں 'عفو' کا مطلب زیادتی اور بڑھوتری ہے۔ معروف امام لغت فراء سے یہی معنی منقول ہیں۔ اس کے الفاظ ہیں: 'قوله تعالیٰ، العفو وهو فضل المال'' اللہ تعالیٰ کے ارشاد 'قُلِ الْعَفْوَ' سے مراد مال کا فضل

۵ تفسیر ابن کثیر ۶/۶۳۔

۶ تفسیر ابن کثیر ۶/۶۳۔

۷ تفسیر ابن کثیر ۶/۶۳۔

امام ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایسے 'مبذرین' کا مال ان سے بالجبر حاصل کر کے سماج کے غربا و مساکین پر خرچ کرے۔ دیکھیں، المحلیٰ، علامہ ابن حزم ۶/۱۵۶۔

یعنی بڑھوتری ہے۔[8]

اس معنی کے لحاظ سے مذکورہ آیت میں 'عفو' کا مطلب یہ ہوگا کہ جو مال ضرورت سے زائد ہو اس کو حاجت مندوں پر خرچ کیا جائے۔ ایک روایت سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص کے پاس طاقت وقوت کا کوئی سامان اپنی ضرورت سے زائد ہو وہ اس فاضل سامان کو کم زور کو دے دے، اور جس شخص کے پاس کھانے پینے کا سامان حاجت سے زائد ہو وہ یہ فاضل سامان ضرورت مند کو دے دے۔ ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح مختلف قسم کے اموال کا ذکر فرماتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے یہ خیال کیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل سامان پر کوئی حق نہیں ہے۔''

(المحلی، علامہ ابن حزم ظاہری ۶/۱۵۷-۱۵۸)

اس سلسلے میں بعض اصحاب رسول کا خیال تھا کہ ضرورت سے زائد مال رکھنا حرام ہے۔ مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری کا یہی مسلک تھا، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی حاجتوں کو پورا کرنے اور زکوٰۃ نکال دینے کے بعد بھی اگر مال بچ جائے تو اولیٰ یہی ہے کہ یہ فاضل مال حاجت مندوں کو دے دیا جائے۔[9]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

معاشی نابرابری

سماج میں معاشی نابرابری کے پیدا ہونے کے متعدد اسباب ہیں۔ سب سے بڑا سبب افراد کے درمیان جسمانی اور عقلی صلاحیتوں کا فرق ہے۔ اسی فرق کی وجہ سے معاشی نابرابری اور پھر اس کے نتیجے میں متعدد سماجی مسائل پیدا ہوتے ہیں، جن کا ازالہ ایک ناگہانی سماجی ضرورت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس کا ازالہ کس طرح ہو۔ اسلام نے اس کے لیے جو طریقے اختیار کیے ہیں وہ دوسرے معاشی نظاموں کے مقابلے میں زیادہ حقیقت پسندانہ ہیں۔ وہ اصولی حیثیت سے معاشی نابرابری کو سماج کی ایک اٹل

۸ دیکھیں، لسان العرب، تحت کلمہ 'عفو'۔

۹ یہ اولیٰ بات اس وقت مطلوب ہوگی جب صحیح معنی میں اسلامی ریاست قائم ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو ناگہانی ضرورتیں بھی پیش آتی ہیں۔ اگر اسلامی ریاست نہیں ہے تو ان ضرورتوں کو کون پورا کرے گا؟ اس لیے موجودہ دور میں ہر صاحب مال سے بس اتنا ہی مطلوب ہے کہ وہ خدا کی راہ میں حتی المقدور انفاق کرتا رہے، خواہ زکوٰۃ کی شکل میں اور خواہ صدقہ نکال کر۔

حقیقت کے طور پر تسلیم کرتا ہے، کیوں کہ یہ ایک فطری عمل ہے۔ فرمایا ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا. (سورۂ زخرف ۴۳:۳۲)

''ہم نے اس دنیا کی زندگی میں لوگوں کی روزی ان کے درمیان تقسیم کر دی ہے، اور ایک کا درجہ دوسرے سے بلند رکھا ہے تا کہ وہ باہم ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔''

اس آیت میں ایک کا درجہ دوسرے سے بلند کرنے کا مطلب ان کا سماجی درجہ بلند کرنا نہیں، بلکہ علم و ہنر میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا مراد ہے۔ اللہ نے اس دنیا میں ہر شخص کو الگ الگ صلاحیت اور قوت کار دی ہے۔ اگر وہ ایک کام کے لیے موزوں ہے تو دوسرے کام کے لیے غیر موزوں۔ اس لیے وہ مجبور ہے کہ دوسرے سے مدد لے۔ اس طرح سب لوگ مل کر سماج کی مختلف النوع ضرورتیں پوری کرتے ہیں اور اس کی تعمیر و ترقی میں اپنا مفوضہ کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر سب کو ایک ہی طرح کا علم و ہنر دے دیا گیا ہوتا تو انسان کی بہت سی سماجی ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتی تھیں۔

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.com

جب صورت واقعہ یہ ہے کہ یعنی لوگوں میں جسمانی اور عقلی صلاحیتوں کا فرق فطری طور پر موجود ہے تو لازماً معاشی نابرابری پیدا ہو گی۔ اسلام اس معاشی فرق کو جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، تسلیم کرتا ہے، لیکن وہ اس معاشی نابرابری کو تسلیم نہیں کرتا جو ظلم و استیصال کے مختلف طریقوں کے استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نے ایک طرف ظلم و استیصال کی راہ مسدود کی اور دوسری طرف حقیقی معاشی نابرابری کو اس کے فطری حدود میں قائم رکھنے کے لیے متعدد تدابیر اختیار کیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ سب سے پہلے لوگوں کو اللہ کے قانون کسب سے آگاہ کیا گیا کہ ہر شخص روزی کمانے میں جدوجہد کرے تا کہ اللہ نے اس کے حصے میں جو روزی رکھی ہے وہ اس کو مل جائے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى. (سورۂ نجم ۵۳:۳۹)

''اور یہ کہ انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا۔''

اس کسب و سعی کے باوجود جو شخص بھی معاشی اعتبار سے دوسروں سے کم تر ہے وہ رنجیدہ نہ ہو اور نہ ہی اس کمی کو دور کرنے کے لیے کوئی ناجائز طریقہ اختیار کرے۔ اس کے لیے صحیح طریقہ یہ ہو گا کہ وہ سابقہ کوشش میں جو کمی رہ گئی ہے اس کو مزید کوشش سے دور کرنے کے لیے جائز اقدامات کرے اور ساتھ ہی اللہ سے کشادگی رزق کے لیے دعا بھی کرے۔ فرمایا ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا. (النساء۴:۳۲)

''اللہ نے جس چیز میں تم میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اس کی خواہش نہ کرو، مردوں کے لیے ان کی کمائی کے لحاظ سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی کے لحاظ سے حصہ ہے، اور اللہ سے ان کا فضل مانگو، بے شک اللہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔''

۲۔حرام طریقوں سے مال حاصل کرنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔فرمایا ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (البقرہ۲:۱۸۸)

''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ اور اس کو حکام تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بناؤ (یعنی ان کو رشوت نہ دو) تا کہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ حق تلفی کر کے کھا جاؤ اور جانتے ہو (کہ تم حق تلفی کر رہے ہو)۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حرام طریقوں سے مال کھانے کی متعدد صورتیں ہیں جن کا ذکر حدیث وفقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ہوا ہے۔ان ہی باطل طریقوں میں ایک رشوت بھی ہے، جس کا اوپر کی آیت میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، یعنی حکام کو مال ومتاع دے کر دوسروں کے اموال واملاک کو ہڑپ کر جانا۔کسب مال کا ایک اور ناجائز طریقہ ذخیرہ اندوزی کر کے بازار میں مصنوعی قلت پیدا کرنا ہے، تا کہ چیزوں کے دام بڑھ جائیں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

من دخل فی شئ من اسعار المسلمین لیغلیه علیهم، فان حقًا علی اللّٰه تعالٰی ان یقعده یعظم من النار یوم القیامة. (مسند احمد)

''جس نے چیزوں کے بھاؤ بڑھانے کے لیے مسلمانوں کے بازار میں دخل اندازی کی (یعنی اشیاے ضروریہ کو بازار میں آنے سے روک لیا) تو اللہ تعالیٰ پر واجب ہو جائے گا کہ وہ قیامت کے دن ایک بڑی (یعنی ہولناک) آگ کو اس کا ٹھکانا بنا دے۔''

۳۔انسان کی فطرت میں خود غرضی موجود ہے، اس لیے وہ ہر کام میں اپنے ذاتی فائدے کو پیش نظر رکھتا ہے۔اگر فائدے کی توقع ہو تو آگے بڑھتا ہے ورنہ رک جاتا ہے۔انسان کی اس فطرت کا لحاظ کر کے صاحب ثروت اہل ایمان کو بکثرت اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ وہ انفاق کریں اور یہ نہ سوچیں کہ اس سے ان کے مال میں کمی ہوگی، وہ جو بھی خرچ کریں گے وہ ان کو واپس لوٹا دیا جائے گا۔اور آخرت میں اس انفاق کے صلے میں ان کو امن وسکون کی زندگی

حاصل ہوگی۔فرمایا ہے:

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ. (البقرہ ۲:۲۷۲)

''اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے وہ تمھیں واپس مل جائے گا اور تمھاری ذرا بھی حق تلفی نہ ہوگی۔''

دوسری جگہ فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (البقرہ ۲:۲۷۴)

''جو لوگ اپنے مال شب و روز کھلے طور پر اور علانیہ بھی خرچ کرتے ہیں، ان کا اجران کے رب کے پاس ہے، ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔''

اسلام کے نظام معیشت میں معاشی نابرابری کو ایک مناسب حد کے اندر رکھنے کے لیے جو اقدامات کیے گئے ہیں وہ بہت مناسب اور انسانی فطرت کے مطابق ہیں۔سب سے بڑی بات یہ کہ اس نظام میں اخلاقی تعلیمات کے ذریعے سے ایک ایسا ماحول بنایا جاتا ہے کہ سب لوگ اپنی مرضی اور خوشی سے ایک دوسرے کے غم گسار ہوتے ہیں اور ہر شخص خواہ امیر ہو یا غریب آگے بڑھ کر حسب حیثیت خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے تاکہ مسلم سماج کے نادار لوگوں کی معاشی ضرورتیں پوری ہوں اور وہ خدا کے مزید لطف و کرم کے مستحق ٹھہریں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

انفرادی ملکیت

اصولی طور پر اسلام انفرادی ملکیت کا حامی ہے، یعنی ہر شخص کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ جائز ذرائع سے مال و جائداد حاصل کرے اور اس کو اس پر تصرف کا اختیار حاصل ہو، بشرطیکہ اسلامی ریاست کا مطالبہ پورا کر دیا جائے یعنی مال کی زکوٰۃ نکال دی جائے۔انفرادی ملکیت کی حمایت کی وجہ یہ ہے کہ مال و جائداد کی محبت اور ان کے حصول کا جذبہ انسان کی فطرت میں موجود ہے۔اس لیے انفرادی ملکیت کی ممانعت کا مطلب اس فطرت سے چشم پوشی ہوگی اور ایسا کر کے کوئی معاشی نظام کامیاب نہیں ہوسکتا ہے، جیسا کہ روس میں اجتماعی ملکیت کے نظام کی ناکامی سے ثابت ہو چکا ہے۔

انفرادی ملکیت کا تصور دراصل ذرائع پیداوار کی آزادی سے وابستہ ہے، یعنی ہر شخص کو یہ موقع اور آزادی حاصل ہو کہ وہ کسب مال کے لیے جس ذریعۂ معاش کو پسند کرتا ہے اس کو آزادانہ اختیار کرے اور اگر ایک سے زیادہ ذرائع پیداوار کو قانونی حد کے اندر اپنے زیر تصرف لانا چاہے تو اس میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔

لیکن حصول ملکیت کی اس آزادی میں یہ خطرہ بہرحال موجود ہے کہ سماج کے چندلوگ اپنی کاروباری ذہانت اور مادی وسائل کی کثرت سے فائدہ اٹھا کر ذرائع پیداوار کے زیادہ حصے پر قابض ہو جائیں اور سماج کا ایک بڑا حصہ اس کے فوائد سے محروم ہو جائے۔

اس امکانی خطرے کے تدارک کی ایک صورت تو یہ ہے جیسا کہ اشتراکیت نے تجویز کیا ہے، کہ ذرائع معاش کو حکومت کی تحویل میں دے دیا جائے، دوسرے لفظوں میں اجتماعی ملکیت کا نظام نافذ کر دیا جائے۔ اس اقدام سے بلاشبہ بہت سے فوائد حاصل ہوں گے، لیکن اس میں نقصانات بھی ہیں۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ انسانی فطرت کے بہت سے محاسن، مثلاً ایثار وسخاوت اور ہمدردی اور اخوت کے جذبات کو نشوونما کا موقع نہیں ملے گا۔ اس کے علاوہ انسان کی فطرت میں خود غرضی کا جو مادہ ہے اور اس کے لیے سب سے بڑا محرک عمل ہے اور اسی پر بڑی حد تک انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر وترقی منحصر ہے، وہ اس صورت میں دب کر رہ جائے گا۔ اس لیے ذرائع[۱۰] پیداوار کو آزاد رکھنے میں ہی انسان اور اس کے معاشرے کی بھلائی ہے۔

انفرادی ملکیت کے نظام سے پیدا ہونے والے مذکورہ خطرے کے ازالے کی دوسری صورت یہ ہے کہ حق ملکیت کو باقی رکھتے ہوئے ایسی تدابیر کی جائیں جن سے ارتکاز مال وزر کا خطرہ دور ہو جائے اور انسان کی معاشی زندگی میں کوئی خلل بھی واقع نہ ہو۔ اسلامی نظام معیشت میں اس آخری صورت کو اختیار کیا گیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ام الفساد

کسی بھی نظام معیشت میں جو چیز ام الفساد ہے وہ ارتکاز مال ہے، یعنی چند افراد یا گروہوں کے پاس مال کی کثیر مقدار کا اکٹھا ہو جانا۔ نظام سرمایہ داری میں یہ خرابی اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ جاتی ہے اور اس سے معاشرے میں سخت معاشی ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس خرابی کو محض قانون بنا کر ختم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسلام نے اس خرابی کا جو علاج تجویز کیا ہے وہ نہایت کارگر ہے کیوں کہ وہ انسانی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ مال پر خواہ وہ کسی شکل میں ہو، جس طرح سماج کے خوش حال طبقہ کا حق ہے، اسی طرح غربا ومساکین کا بھی حق ہے 'حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ' (سورۂ ذاریات ۵۱:

۱۰؎ ذرائع پیداوار سے ہماری مراد زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت ہیں۔ رہے قدرتی ذرائع، مثلاً معدنی کانیں، جنگل اور پہاڑ اور سمندر وغیرہ تو حکومت مفاد عامہ میں انھیں اپنے قبضہ میں لے سکتی ہے۔

۱۹) اس لیے اسلامی ریاست کے ارباب حل وعقد کا اخلاقی اور قانونی فریضہ ہے کہ وہ غربا و مساکین کے اس حق کا تحفظ کریں اور وہ تمام تدابیر عمل میں لائیں جن سے سماج میں ارتکاز زر کی صورت پیدا نہ ہو، یعنی چند افراد یا گروہوں کی مٹھی میں مال وزر کا بند ہو کر رہ جانا۔ فرمایا ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ. (سورۂ حشر ۵۹:۷)

’’اللہ جو مال بستی والوں سے لڑائی کے بغیر اپنے رسول کو دلا دے، اس میں اللہ کا، رسول کا، قرابت والوں کا، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے، تاکہ وہ تمھارے مال داروں ہی میں نہ گردش کرتا رہے۔‘‘

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

’’...ایسے لوگ جو ایمان کی روشنی ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد، محض اپنے دنیوی مفادات کی خاطر اس سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں، ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں پر مہر کر دیا کرتا ہے اور وہ ہدایت کی توفیق سے بالکل ہی محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ خود اصل حقیقت پر غور کرتے، نہ کسی دوسرے معقول آدمی کی بات سنتے اور نہ بصیرت حاصل کرنے کے لیے اپنی آنکھیں کھولتے۔...یعنی اصل بے خبر یہی لوگ ہیں اس لیے کہ ان کے دل اور ان کے کان آنکھ سب جپاٹ ہو چکے ہیں۔ کسی طرف سے بھی کوئی بصیرت کی کرن ان کے اندر داخل ہونے کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہی۔‘‘ (تدبر قرآن ۴/۴۵۴)